© rasailojaraid.com

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

تحریر: جناب غلام سرور قریشی عباس پورہ جہلم

حضرت خالد بن ولیدؓ، اصحاب رسول اللہ ﷺ میں جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میدان میں ان کے کارہائے نمایاں صرف تاریخ اسلام میں ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم میں بھی ایک حوالہ ہے۔ فن سپاہ گری اور شجاعت وتہوّر کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں خالدؓ کا ذکر نہایت ہی رنگین انداز میں کیا گیا ہے۔ بعض مورخین نے انہیں افسانوی کیریکٹر کے طور پر پیش کیا ہے کیونکہ جو فوجی قوت انھیں میسر ہوا کرتی تھی وہ ان کی فتوحات کو قابل یقین نہیں بناتی تھی۔ اس لئے انہوں نے انہیں داستان شجاعت کا ایک خیالی کردار سمجھ لیا مگر یہ مؤرخین یہ بھول گئے کہ خالدؓ کی تلوار میں اللہ کی طاقت کارفرما تھی اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: (خالد سیف من سیوف اللہ) "خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے"۔

یہ وہی خالدؓ ہیں جنہوں نے اپنی موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے جنگ احد کا نقشہ بدل دیا تھا اور مسلمانوں کو ستر شہادتوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس ومطہر پر زخم آئے تھے اور دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ میدان تہوّر کے اس مرد کی قسمت یہیں سے بدل گئی ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کی کوئی دعا ان کے اسلام لانے کے واسطے کی ہو، جس طرح سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کے واسطے کی تھی۔ گو کہ ایسی کوئی شہادت میسر نہیں۔ بہرحال خالدؓ کی خوبی قسمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی دنیا بدل دی۔ اور وہ اسلام کا بازوئے شمشیر زن بن گئے اور معاملہ کی صورت یہ بن گئی کہ "خالدؓ اور فتح" لازم وملزوم ہوگئے۔ عوام میں یہ تاثر پھیل گیا کہ فتح خالدؓ کی تلوار سے ہوتی ہے سیدنا فاروق اعظمؓ کو یہ بات کب پسند آتی کہ مسلمان فتح کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا اثر سمجھنے کی بجائے، خالدؓ کی تلوار کا کمال کہیں لہذا اس باطل تاثر کو ہٹانے کیلئے کمانڈر انچیف کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ یہاں سے آگے جو کچھ ہوا، وہ بڑا ہی حیرت انگیز ہے خالدؓ نے کوئی احتجاج کئے بغیر عام مجاہد اسلام کے طور پر جہاد وغزا جاری رکھا اور فتح بدستور مسلمانوں کے قدم چومتی رہی۔

خالدؓ کو دشمن کی نفسیات پر چھا جانے کا ملکہ حاصل تھا۔ وہ سرحد روم پر صرف ساٹھ تیر اندازوں کے ساتھ سور چہ زن تھے کہ رومی کمانڈر ساٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ مقابلے کیلئے بڑھا۔ خالدؓ کیلئے یہ وقت بڑا کڑا تھا مگر ذرا نہ گھبرائے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ مقابلہ قلت وکثرت کے لحاظ سے ان کیلئے ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے دشمن کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ مورچہ زن تھے کہ رومی کمانڈر ساٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ مقابلے کیلئے بڑھا۔ خالد سیلئے یہ وقت بڑا کڑا تھا مگر ذرا نہ گھبرائے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ مقابلہ قلت و کثرت کے لحاظ سے ان کیلئے ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے دشمن کو نفسیاتی طور پر سراسیمہ کر دینے کی منصوبہ بندی کی اور اپنے ساٹھ تیراندازوں کو یہ حکمت عملی بتائی کہ وہ برق رفتاری سے اپنی پوزیشن بدلیں گے اور اس سرعت سے تیروں کی بارش کریں گے کہ دشمن کو یہ معلوم کرنے کا وقت ہی نہ ملے کہ پہلے تیر مشرق سے آتے تھے اور اب شمال سے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ساٹھ تیرانداز ایک طرف سے ہٹ کر دوسری طرف جاتے اور پچھلی طرف جو قیامت بپا کر آتے، اس کے متاثرین و مقتولین کو اپنی ہی پڑی ہوتی اور وہ دوسری طرف قیامت ڈھا دیتے اور یہ کام اس سرعت رفتاری سے ہوتا رہا کہ مخالف کمانڈر یہ سمجھ بیٹھا کہ وہ کسی بہت بڑی تیرانداز فوج کے محاصرے میں آ چکا ہے جس کا مقابلہ ممکن نہیں کیونکہ اس کے میمنہ، میسرہ، قلب اور ہراول میں یکساں تباہی پھیل رہی تھی۔ خالدؓ کی چال سے وہ نفسیاتی طور پر سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلا۔ عام مؤرخ اس مقابلے میں خالدؓ کی فتح کو اگر قلت و کثرت کے حوالے سے جانچے گا تو اسے کوئی ایسا قرینہ نہ ملے گا جس سے خالدؓ کو فتح ہوتی لہذا وہ اسے افسانوی کردار کہہ دے گا۔ مگر اسلام کا فلسفہ نرالا ہے۔ وہ قلت و کثرت کے حوالے سے فیصلے نہیں کرتا بلکہ حق کے سب معرکے قوت ایمانی اور نصرت آسمانی سے مارے جاتے ہیں۔ حنین میں مجاہدین اسلام اپنی کثرت تعداد پر بھروسہ کرنے لگے تو فتح منہ موڑ گئی۔

ہم آج انڈیا کی عددی اور اسلحی برتری سے ڈر کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ ہم اس سے نہیں لڑیں گے اور صرف مذاکرات کریں گے۔ اس سے آگے کا معاملہ ہماری تحریر سے متعلق نہ ہے۔ یہ تفاوت بین کفر و اسلام تو ہمیشہ رہا ہے۔ جنگ بدر میں ایک اور تین کا فرق تھا۔ پر فتح اسلام کی ہوئی۔ دراصل ہم انڈیا کی طاقت سے، فلسطینی اسرائیلی طاقت سے اور عالم اسلام امریکی طاقت سے نہیں ڈرتے بلکہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہمیں بزدل بناتی ہے۔ اگر ہم آج بھی اپنا ایمان تگڑا کر لیں تو فرشتے ہماری نصرت کو اتر سکتے ہیں۔ میں نے ایمان تگڑا کرنے کی بات کی ہے تو میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہمارا ایمان کمزور ہے۔ ہمارا ایمان بہت مضبوط ہے مگر تگڑا اس لئے نہیں کہ اس کی پشت پر اعمال صالحہ کی قوت نہیں ہے۔ ذرا اسلام کے اعمال کے میدان میں چابک سواری کریں تو باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کر دے گا۔

خالدؓ کی شدید تمنا تھی کہ انھیں شہادت کا فوز عظیم حاصل ہو۔ اس لئے وہ ہمیشہ اگلی صفوں میں لڑتے اور میدانِ کارزار کے ان مواقع پر ہوتے جہاں گھمسان کا رن پڑ رہا ہوتا کہ کسی طرح وہ شہید ہو جائیں۔ وہ موت کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گلے سے لگانا چاہتے تھے مگر وہ ان سے بھاگتی تھی۔ ان کی یہ تمنا، ان کی دلیری اور بے باکی کا سبب تھی مگر دشمن کیلئے یہ بھی ایک نفسیاتی مرض کی علت تھی۔ دشمن دہل جاتا تھا کہ یہ کمانڈر انچیف کیسا ہے جو اپنے قلب میں رہنے کی جگہ اس کے ہراول، میمنہ اور میسرہ میں پھرتا ہے اور اسے گاجر مولی کی طرح کاٹتا ہے اور تاریخ میں یہ شرف بھی صرف خالدؓ کو ملا کہ ایک دن میں اس کے دست غزا میں نو تلواریں ٹوٹیں مگر اس کا جوشِ جہاد پھر زندہ تھا۔

اس میں کیا حکمت الٰہیہ تھی کہ انہیں شہادت کے مرتبہ پر فائز نہ کیا گیا حالانکہ کئی دیگر اصحابؓ رسول ﷺ کی یہی تمنا پوری کردی گئی۔ خالدؓ نے اس تمنا کو پورا کرنے کیلئے اپنے جسم پر سو سے زیادہ زخم کھائے مگر ہر زخم مندمل ہو گیا اور اگلے جہاد میں پھر زخم کھاتے اور مبارزت طلب کرتے تھے۔ تاریخ میں مرقوم ہے کہ اللہ کی یہ تلوار دم واپسیں بستر مرگ پر ان الفاظ میں اپنی محرومی قسمت پر تاسف کرتی تھی۔ میں ہر میدان میں لڑا اور موت آئی تو عورتوں کی طرح بستر پر۔ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن۔

سیدنا خالدؓ نے عالم کفر کو لرزہ براندام رکھا۔ فلسفہ جہاد بڑا عجیب ہے۔ اس میں غازیان اسلام جان دینے کیلئے آتے ہیں بچانے کیلئے نہیں۔ جب کہ کفر صرف زمینی فتح کیلئے لڑتا ہے۔ وہ مرنے سے بچتا ہے اور حق، حق پر قربان ہونے کیلئے میدان جہاد میں اترتا ہے اور جو مرنے پر تیار ہو، موت اس سے بھاگتی ہے۔ بزدلوں کو بروج مشیدہ میں بھی مرگ ناگہاں آلیتی ہے اور خالدؓ کو اگلے مورچوں میں تنہا لڑتے ہوئے بھی نہیں آتی۔

یہاں یہ ازالہ ضروری ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے خالدؓ کو اس لئے معزول کیا تھا کہ وہ مال غنیمت کا ٹھیک ٹھیک حساب پیش نہ کرتے تھے۔ یہ نرا الزام ہے اگر چہ بعض تواریخ میں یہ مرقوم ہے۔ میں نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ ایک جرنیل کا کام لڑنا ہوتا ہے، اپنی فوج کو لڑانا ہوتا ہے۔ پھر بعد جنگ کے درجنوں معاملات و مسائل کا انبار اس کے سامنے ہوتا ہے۔ شہداء کی تدفین، دشمن کے قیدیوں، زخمیوں کی مرہم پٹی اور انھیں محاذ جنگ سے چھاؤنیوں میں بھیجنے کے بھاری انتظامات اسے درپیش ہوتے ہیں۔ ایسے میں مال غنیمت کی لکھت پڑھت کا مرحلہ بہت بعد میں آتا ہے۔ پھر خالدؓ جو سرمایہ جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے، سرمایہ غنیمت کو کیا اہمیت دیتے ہوں گے یا حساب میں کیا کوتاہی کرتے ہوں گے۔ فوجیوں سے منشی گری نہیں ہوسکتی۔ اندریں حالات یہ تو ممکن ہے کہ خالدؓ اس باب میں چنداں خبر گیری نہ کرسکے ہوں لیکن یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی اخفا سے کام لیا ہو اور پھر اپنی معزولی کے بعد، ان کا عام مجاہد اسلام کے طور پر جہاد و غزا جاری رکھنا، اس بات کی کافی شہادت ہے کہ اللہ کی یہ شمشیر بے نیام، صرف اور صرف جان دینے اور جان لینے کیلئے چلتی تھی۔ غنیمت سے اسے کوئی سروکار نہ تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنا حصہ پایا ہوگا، وہ بھی اتنا بڑا ہوگا کہ انھیں اس کی موجودگی میں مال دنیا میں کونسا احساس محرومی، اخفاوغیرہ پر مجبور کرسکتا تھا۔

(بقیہ: فتویٰ نہیں، خیال!)

ہے۔ کفار کا تصدیہ (تالیاں) تو مسجد کے باہر ہوتا تھا۔ مگر یہ مسلمان نمازیوں کا عین مسجد کے اندر حالت نماز میں تصدیہ ہے۔ اب وہ کیا کرتے ہیں۔ ٹیلی فون جیب سے نکالتے اور اسے آف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلے اپنا اور ساری جماعت کا انہماک توڑ کر گناہ کبیرہ کیا۔ پھر اسے بند کرنے میں عمل کثیر کیا جس سے نماز کا ٹوٹ جانا ثابت ہے اور اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔ بعض حضرات تو اس سے بھی آگے جاتے ہیں۔ فون جیب سے نکالتے، اسے آن کرتے اور پھر سامنے کر کے اسے پڑھتے ہیں اور پھر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ نماز ہی پڑھ رہے ہیں۔ وسوسہ و عمل کثیر تو الگ رہا تصدیہ کو بھی جانے دیجئیے۔ جماعت میں خلل اندازی کا جرم ہی اتنا سنگین ہے کہ اس وقت فون واقعی ابلیس بن کر مسجد میں کارفرمائی کر رہا ہوتا ہے۔ وسوسہ تو وہ دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ مگر عبادِ صالحین کچھ ایسے بھی ضرور ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے فضل سے حالت نماز میں اپنے اذہان وقلوب کو اس کے حملوں سے محفوظ کر لینے کی صلاحیت پیدا کر لی ہوتی ہے۔ لیکن اس مردود نے موبائل فون کی رنگ سے ان کے انہماک و استغراق فی الصلوٰۃ کو توڑ دینے کا طریقہ ایجاد کر لیا ہے اور ستم یہ ڈھایا کہ اس نے خود نمازیوں کو ہی اپنا آلہ کار بنایا جو حالت جماعت میں اپنے فون آن کر کے رکھتے اور یوں اپنی نماز کو توڑنے اور دوسروں کی نمازوں میں خلل ڈالنے کا جرم کرتے ہیں۔ یہ فتویٰ کسی مولوی کے دینے کا نہیں کہ حالت نماز میں فون کو آنکھوں کے سامنے لانے اور اس کے مندرجات کو پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں یہ حضرات یہ جواز نکالتے ہیں کہ اہل عرب ایسا کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ابلیس نے اہل عرب کو بھی اپنا آلہ کار بنالیا ہو تو کیا اس سے جرم کی سنگینی کم ہو جاتی ہے؟ سہو کا معاملہ الگ ہے۔ اللہ تعالیٰ بھول چوک کو معاف فرمادیں گے تاہم احتیاط واجب ہی نہیں، فرض ہے۔ مگر وہ حضرات جو عمداً ایسا کرتے ہیں اور ہر نماز میں موجب خلل بنتے ہیں، میرا خیال ہے۔ فتویٰ نہیں کہ ان کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور وہ دوسرے نمازیوں کی نمازیں بھی خراب کرتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ ایسا کرنے میں کیا لذت پاتے ہیں۔ شاید اس طرح سے وہ اہل مسجد پر یہ تاثر ڈالتے ہیں کہ وہ بڑے اہم آدمی ہیں کہ ان کو حالت نماز میں بھی فون آتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ان کی دنیوی اہمیت اتنی ہی زیادہ ہے کہ نماز کے دس بیس منٹ کے دورانیے میں بھی، کار جہاں سے کٹ جانے کی وجہ سے دنیا میں قیامت آسکتی ہے تو پھر وہ مسجدوں میں آنے کا تکلف ہی نہ کیا کریں بلکہ سرے سے نماز ہی نہ پڑھا کریں کہ مبادا انتظام جہاں ان کی نماز کے دورانیے میں تلپٹ ہو جائے اور جس آسمان کو اپنے زعم میں انہوں نے تھاما ہوا ہے، زمین پر آ گرے۔ مسجدوں میں ٹیلی فون بجانے کی جگہ اگر وہ اپنے گھروں پر ہی رہا کریں اور آسمان کو تھامے رہیں تو یہ بھی اچھا رہے گا کہ نمازی نماز باجماعت ادا کرلیں گے اور فتنہ قیامت سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اے اہل بصیرت غور کرو!

© rasailojaraid.com